ڈاکٹر ظفر اقبال

نادمؔ سیتاپوری کی غیر مطبوعہ خودنوشت سوانح

An Autobiography of Naudim Seetapuri

Dr. Zafar Iqbal, Professor & Chairman Department of Urdu, University of Karachi, Pakistan.

Abstract:

Naudim Seetapuri is a prominent figure of Urdu literature who has left lot of researcher and different generes of Urdu literature on his credit. He was also associated with journalism and silver screen (Filmy world). He has contributed in all areas of he belonged to i.e, literature, journalism etc.

We found an autobiography of Naudim Seetapuri from his literary assets whose introduction has been presented in this essay other than this, a list of his published and unpublished books has also been provided so that the readers world know about his writing excellence.

برِصغیر میں علم وادب کی ترویج میں صرف چند نام ور مراکز اور بڑے شہروں نے ہی نمایاں کردار ادا نہیں کیا بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ چھوٹے شہروں، قصبات اور بعض اوقات نہایت قلیل رقبے اور آبادی پر مشتمل گاؤں نے بھی فکر ودانش کی ترویج میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ایسے ہی چھوٹے مقامات میں سیتاپور (یوپی، انڈیا) بھی شامل ہے۔ ایک زمانے تک سیتاپور کو مذہبی تعلیم کے قابلِ ذکر مرکز کی حیثیت حاصل رہی جس کی تفاصیل قاضی سید الیاس حسین کی کتاب ''تذکرہ علمائے سیتاپور'' سے مل سکتی ہیں۔ (مطبوعہ: فضلی سنز، کراچی ۲۰۰۶ء) مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ سیتاپور کو چھوٹے سے ادبی مرکز کی حیثیت بھی حاصل رہی ہے سیتاپور کے ارباب کمال کا ایک جامع تذکرہ سید محمد اکبر عادل سیتاپوری (نادمؔ سیتاپوری کے بڑے بھائی) نے تین جلدوں میں مرتب کیا تھا جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ (اس تذکرے کی عکسی نقل میرے پاس ہے) اس تذکرے سے سیتاپور کی دوسو سالہ علمی وادبی تاریخ کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں سیّد ظہورالحسن فروغ سیتاپوری نے اپنی ضخیم کتاب ''شجراتِ طیبات'' (مطبوعہ: امیر

المطابع، سیتاپور۔۱۹۱۸ء۔ضخامت ۹۴۱صفحات) میں بھی سیتاپور کے مسلمانوں کے شجرات اور احوال بیان کیے ہیں۔سب کتب کو ملا کر پڑھنے سے سیتاپور کے تاب ناک ماضی اور وہاں کی ثقافتی زندگی کا بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ بیسویں صدی میں سیتاپور کی اہم ادبی شخصیات میں نادؔم سیتاپوری کا نام بھی شامل ہے۔

نادم کا پورا نام سیّد محمد اظہر تھا وہ ۲۷ فروری ۱۹۱۴ء کو سیتا پور کے سادات خاندان میں پیدا ہوئے اور ایک سخت زندگی کا سفر طے کر کے ۱۸مارچ ۱۹۸۳ء بہ روزِ جمعہ کراچی میں وفات پائی۔ نادؔم سیتاپوری کی اولادوں میں دو بیٹے اور ایک بیٹی شامل ہیں۔ اُن کے پہلے بیٹے سیّدابوتراب ۲۹نومبر ۱۹۵۱ء میں سیتا پور میں پیدا ہوئے، اور مختصر سی زندگی گزار کر دسمبر ۱۹۵۱ء کو انتقال کیا۔ دوسرے بیٹے سیّد عابد اظہر اکتوبر ۱۹۵۳ء میں سیتا پور میں پیدا ہوئے اور ماشا اللہ ان دِنوں کراچی یونیورسٹی کے شعبہ حیاتی کیمیا سے بہ طورِ پروفیسر وابستہ ہیں۔ نادؔم سیتاپوری کی ایک ہی بیٹی ہیں ان کا نام سرتاج بانو ہے۔ وہ جولائی ۱۹۵۷ء میں پیدا ہوئیں، اور خانہ دار خاتون کی حیثیت سے کراچی میں رہائش پذیر ہیں۔

راقم الحروف کا، نادؔم سیتاپوری سے اوّلین تعارف ۱۹۷۰ء میں ہوا اور اُن کی شفقت، علم دوستی اور خُرد نوازی کے سائے میں یہ مراسم اُن کی وفات تک برقرار رہے۔ انہوں نے کراچی، میں متوسط لیکن تعلیم یافتہ طبقے کی آبادی ''رضویہ سوسائٹی'' میں مکان بنالیا تھا، جہاں وہ تادمِ آخر مقیم رہے۔ باہمی تعلقات کے ۱۳برسوں میں، مَیں نے اُنھیں باوجود پیرانہ سالی، ادب سے بے پناہ وابستگی رکھنے والی شخصیت کے طور پر پایا۔ متعدد امراض اور اُن کے نتیجہ میں واقعہ ہونے والی کم زوری کی وجہ سے وہ قدرے چڑچڑے ہوگئے تھے۔ لیکن جہاں کوئی علمی معاملہ زیرِ بحث آتا اُن کی آنکھوں میں اک عجیب سی چمک پیدا ہوجاتی اور وہ پوری تاب وتوانائی کے ساتھ مسئلہ زیر بحث میں بھرپور طریقے سے شریکِ گفتگو ہوجاتے۔ وہ اعلیٰ تہذیبی اقدار کا چلتا پھرتا مرقع اور شائستگی کی منہ بولتی تصویر تھے۔ میں نے کبھی ان کو چیخ پکار کرتے تو کجا، اونچی آواز سے بولتے بھی نہیں سنا۔ ہمیشہ نرم اور میٹھے لہجے میں گفتگو کرتے۔ گفتگو میں خورد اور بزرگ سے مخاطبت کے حفظِ مراتب کا بہ طورِ خاص اہتمام کرتے تھے۔ لباس میں عموماً سفید کرتا پاجامہ استعمال کرتے۔ سردیوں میں گرم اور دبیز کپڑے پہنتے جن میں رنگوں کی کوئی قید نہیں ہوتی۔

اکثر اہلِ علم و ادب اور کبھی کبھار طالبِ علم بھی ان سے ملاقات کے لیے آتے۔ وہ نہایت وسیع المشرب تھے انسانوں کو خانوں میں تقسیم کر کے نہیں دیکھتے تھے۔ مذہبی رواداری ان کا طرۂ امتیاز تھی۔ فرقہ وارانہ انتہا پسندی کے اس دور میں کہ جہاں مکالمہ ترک اور مجادلہ حاوی ہوگیا ہے، ان کو دیکھ اور سن کر حیرت

ہوتی تھی۔ میں نے ان کے منہ سے کبھی کسی کی دل آزاری کی بات نہیں سنی۔ ہمیشہ یہی کہتے تھے: دل بدست آور کہ حج اکبر است۔

نادم سیتاپوری نے چوں کہ ایک بھرپور زندگی گزاری تھی۔ برِصغیر کی بھی خاصی سیاحت کی تھی، علاوہ ازیں صحافت اور فلمی دنیا کے تجربات نے بھی ان کی معلومات اور ذہنی صلاحیت میں کثیرالجہتی پیدا کردی تھی، اسی لیے ان کی گفتگو میں اک دانش ورانہ رنگ شامل رہتا تھا۔ صحافت سے وابستگی اور فکرِ معاش نے انہیں جم کر کام کرنے کا موقع نہیں دیا اور اس وجہ سے وہ متعدد (ایسے منصوبے کہ جو انہیں تاریخ میں زندہ رکھنے کے لیے کافی ہوتے) شروع کرنے کے باوجود مکمل نہ کرسکے۔ تاہم انھوں نے اپنے مخصوص حالات کے باوجود جتنا اور جو کچھ کیا وہ بھی اپنی جگہ کم اہم نہیں۔

نادم سیتاپوری کو ادبی دنیا نے بہت جلد فراموش کردیا۔ آج باوجود کوشش کے ان کی مطبوعہ تصانیف دستیاب نہیں ہوتیں۔ یہی حال ان کے مضامین و مقالات کا ہے، خاصی کاوش کے بعد ان کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ مضامین و کتب کا سراغ لگایا گیا ہے۔ اس ضمن میں نادم کے صاحب زادے ڈاکٹر عابد اظہر جو کراچی یونیورسٹی میں کیمیا کے پروفیسر اور میرے رفیق ہیں ان سے بھی خاصی مدد ملی علاوہ ازیں عزیزی ارشد عثمان نے بھی اس ضمن میں خصوصی تعاون کیا۔ نادم صاحب کے ساتھ گزرے ہوئے ایام سے متعلق اتنی یادیں ہیں کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو خاصا ضخیم مضمون تیار ہوسکتا ہے۔

نادم سیتاپوری نے تمام عمر ادبی سرگرمیوں میں بھرپور حصّہ لیا۔ تحقیق، تنقید، خاکہ نگاری، صحافت اور فلمی دنیا، غرض کہ ادب کے متعدد گوشوں میں انہوں نے کچھ نہ کچھ یادگار چھوڑا ہے۔ نادم سیتاپوری نے اک خودنوشت بھی لکھی تھی جو اُن کی تحریر میں موجودہ صورت میں تقریباً ۱۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ خودنوشت سوانح کی اس ضخامت سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک وسیع اور جامع سوانح تحریر کرنا چاہتے تھے لیکن مکروہاتِ زمانہ کی وجہ سے وہ اسے مکمل نہ کرسکے۔ تاہم جو کچھ ہے اور جیسا کچھ ہے، وہ بھی غنیمت ہے۔ اس سوانح میں نادم نے اپنے بچپن کے زمانے، اس عہد کی انسان دوستی، ہندو اور مسلمانوں کے مابین اخوت و محبت، سیتاپور کی کیفیت، وغیرہ کے بابت معلومات افزا تحریر لکھی ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے اپنے خاندان اور اپنے والدین کے حوالے سے اہم ترین معلومات فراہم کی ہیں کیوں کہ وہ ہی تمام معلومات کا واحد ذریعہ تھے۔ انہوں نے اس عہد کی معاشرتی زندگی کی بھی اچھی نقشہ کشی کی ہے۔ یہ نامکمل سوانح ان کی کتاب زندگی کے ایک باب کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ ایک سچّے اور کل وقتی ادیب تھے۔ ادب ہی تاحیات ان کا اوڑھنا بچھونا رہا۔ اور یہی وجہ ان کی سوانح کی اشاعت کا سبب بنی ہے، جس کا متن پہلی بار پیش کیا جارہا ہے۔ نادم سیتاپوری نے متعدد

مضامین، کتب، ناول اور افسانے لکھے ہیں ان کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتب اور مضامین کی ایک فہرست بھی پیش کی جارہی ہے تاکہ علمی و ادبی دنیا اُن کے تحریری کارناموں سے آگاہ ہو سکے۔

آپ بیتی

''بسم اللہ

میں اپنے بارے میں کیا لکھنا چاہتا ہوں؟ مجھے خود کچھ پتہ نہیں! کیوں کس لیے؟ یہ بڑے اہم اور مایوس کن سوالات ہیں کیوں کہ میری زندگی کا ناتمام سفر ایک (ٹوٹے) خواب سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ اب میں زندگی کی اس منزل میں پہنچ چکا ہوں جہاں سے صرف ماضی کے دھندلکے نظر آسکتے ہیں، آگے بڑھ کر کچھ نہیں دیکھا جاسکتا۔

اپنے برے بھلے ماضی سے سب ہی کو لگاؤ ہوتا ہے؟ لیکن میں جس ماضی کو حسرت و یاس سے تک رہا ہوں وہ سیاسی انقلابات کی ٹھوکروں سے اتنا چکنا چور ہو چکا ہے کہ ان سنگ ریزوں کو اب آنکھوں سے بھی نہیں لگا سکتا۔ تھک ہار کے جب آنکھیں بند کر لیتا ہوں تو لوریوں کی آغوش میں مچلا ہوا بچپن، جوانی کی ترنگ میں جھومتا ہوا شباب، اور اس بڑھاپے کا آغاز تک جھنجھوڑ دیتا ہے۔ اور بعض وقت تو یہ جی چاہتا ہے کہ اس فلم کی ''ریل'' اتنی لمبی ہو جائے کہ کبھی اس کا اختتام ہی نہ ہو۔

۲۷ فروری ۱۹۱۴ء:

۲۷ فروری ۱۹۱۴ء میری پیدائش کی یہی تاریخ ہے جو مجھے اپنے بزرگوں سے معلوم ہوئی۔ میری والدہ کا انتقال بچپن میں ہو گیا، تھا اس لیے سالگرہ نام کی کسی تقریب کا کوئی تصور بھی میرے ذہن پر نہیں ہے۔ یہ بات تو مجھے عنفوانِ شباب ہی میں معلوم ہوئی کہ زندگی کے ایک سال کم ہو جانے پر سالگرہ کی خوشی بھی منائی جاتی ہے۔ انگور کھٹے ہوں یا میٹھے؟ مجھے قطعاً یاد نہیں کہ میری سالگرہ کی کبھی کوئی تقریب منائی گئی اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اودھ کے قصبات میں اس قسم کی روایتی تقریبات عموماً بڑے گھرانوں میں منائی جاتی تھیں، ہم اوسط درجے کے لوگوں میں جن کے ماں باپ زندہ ہوتے، وہ سالگرہ کے دن مجلس سیّدالشہداء برپا کر کے بچے کی طول عمر کے لیے دعا کر لینا کافی سمجھتے تھے۔

میری پیدائش والد مرحوم کے لگائے ہوئے آموں کے اس باغ میں ہوئی جو ''ہزارہ'' کے نام سے مشہور تھا۔ یہ باغ سیتا پور ریلوے اسٹیشن سے تقریباً ایک میل دور آج بھی موجود ہے لیکن اب یہ کسی

ہندو وکیل کی ملکیت بن چکا ہے۔ یہ باغ موضع گدی پور کے ایک زرخیز چک کے اندر تھا، جو بندوبست سابق کے مطابق میرے دادا میر مہربان علی مرحوم کے نام سے ''چک مہربان علی'' کے طور پر درج ہے۔ اس بندوبست کا ریکارڈ کلکٹری سیتا پور کے محافظ خانے میں محفوظ ہے جس میں تمام اندراجات موجود ہیں۔ اس باغ کے اندر ایک کچا مکان بنا ہوا تھا جس میں صرف ایک کمرہ بنا ہوا تھا۔ کمرے کے شمال و جنوب کی طرف دو چھپّر پڑے ہوئے تھے اور اسی سے ملا ہوا ایک کچا کمرہ اور بھی تھا جس میں ''ٹائین'' (اودھ) اور اس کے بچے رہا کرتے تھے۔

ٹائین اس باغ کا باغ دار تھا، اسی نے اس باغ کو لگایا تھا اور والد کی زندگی بھر اسی باغ کی خدمت کرتا رہا۔ والد کی وفات کے بعد جب یہ باغ ہم لوگوں سے جدا ہوگیا، تو نہایت ہی وفادار اور وضع دار ٹائین کو بھی حالات نے ہم سے جدا کر دیا۔ ٹائین کا قد پانچ فٹ سے بھی کم تھا اسی لیے اس کا نام ٹائین رکھا گیا تھا جس کے معنی ہی چھوٹے قد کے تھے اس علاقے میں۔

ٹائین حد درجہ کم سخن، غریب مزاج اور نیک آدمی تھا۔ زیادہ محنت تو نہیں کرسکتا تھا، مگر بے عذر اتنا تھا کہ جس کام میں لگا دیا جائے تن دہی سے لگا رہتا تھا۔ اس کی بیوی زبان دراز تھی اور لڑاکا بھی، ٹائین اس سے بہت ڈرتا تھا۔ ٹائین کی وضع داری کا یہ حال تھا کہ باغ سے ہٹ جانے کے بعد بھی وہ زندگی بھر شبِ عاشور میرے والد کے تعزیہ خانے میں گزارتا رہا۔ ۹ محرم کی صبح آکر تعزیہ خانے کا پھاٹک بناتا، چبوترے کے چاروں طرف پھول پتیاں لگا کر دیوار سی کھڑی کرتا اور ساری رات عزاخانے کے باہر بیٹھ کر جاگتا رہتا۔

صبح نماز کے وقت ہمارا تعزیہ پکّے پُل کی کربلا میں دفن کیا جاتا، کلو اور ٹائین ساتھ ہوتے۔ تعزیہ دفن کرنے کے بعد ہم لوگوں کے ساتھ واپس آتے۔

میرے بزرگ بیان کرتے تھے کہ جس زمانے میں، مَیں پیدا ہوا سیتا پور میں سخت طاعون چل رہا تھا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے ہندوستان میں سب سے پہلے پلیگ (طاعون) کی بیماری انیسویں صدی کے آخر میں شروع ہوئی تھی، میری پیدائش سے کوئی تیس پینتیس سال پہلے۔ اس وبائی مرض کی ابتدا میں چوہے اپنے بلوں سے نکل کر مرنا شروع ہوجاتے ہیں ان چوہوں کے ذریعہ جراثیم پھیلتے ہیں اور انسان کے جسم کے مختلف حصوں پر سرخ رنگ کی گلٹیاں نمودار ہوتی ہیں۔ تیز بخار آتا ہے اور دیکھتے آدمی ختم ہوجاتا ہے۔ عام طور پر پلیگ شروع ہوتے ہی ہم لوگ آبادیوں سے دور اپنی زمین داریوں میں منتقل ہوجایا کرتے تھے اور کئی مہینے وہیں جنگل میں منگل مناتے رہتے۔

میری یاد میں کئی بار طاعون چلا ۱۹۱۸ء یا ۱۹۲۰ کا طاعون تو کچھ زیادہ یاد نہیں، البتہ ۱۹۲۴ء میں ہم لوگوں کا سیتا پور سے کوئی دس بارہ میل دور سہانی پارہ منتقل ہونا پڑا تھا۔ سہانی پارہ ممتاز پور (پرگنہ سیتاپور) کے تعلقدار ٹھاکر جنگو سنگھ کا گاؤں تھا۔ سیتا پور سے نینی تال جاتے ہوئے ''جھریکا پور'' ایک اسٹیشن پڑتا ہے ''سہانی پارہ'' اسی اسٹیشن سے کوئی ایک میل دور جانب جنوب مغرب میں واقع تھا۔

ٹھاکر جنگو سنگھ، میرے دادا میر مظفر حسین وکیل مرحوم کے موکل تھے اور انہیں چچا کہا کرتے تھے۔ ممتاز پور کا تعلقہ میر صاحب نے مقدمہ لڑ کر انہیں دلوایا تھا، اس کا بڑا احسان مانتے تھے۔

انہیں جنگو سنگھ کے کہنے پر میر صاحب نے ''سہانی پارہ'' کا قیام منظور کیا تھا اور اس کا سارا انتظام خود جنگو سنگھ ہی نے کیا تھا۔ ہم لوگوں کا خاندان بہت بڑا تھا، عورت، مرد، بوڑھے اور بچے ملا کر کوئی سولفوس ہوں گے، پھر نوکر چاکروں کے ساتھ یہ تعداد کوئی ڈیڑھ سو سے بھی اوپر پہنچ گئی تھی۔ ٹھاکر جنگو سنگھ نے اپنا بڑا سا مکان جس کے اندرونی حصے میں بڑے بڑے پانچ یا چھ کمرے اور دالان تھے، کئی کوٹھریاں اور ایک بڑا سا گھر ''رسوئی گھر'' تین چار دروازوں کی بڑی سی ڈیوڑھی، مردانے حصے میں کئی کمرے، کئی لمبے چوڑے چھپر، اور ایک بڑا سا صحن۔ اس کچی حویلی کا صدر دروازہ اُتر کی طرف تھا اور اس کے سامنے آم کا ایک بہت بڑا باغ تھا، جس میں متعدد خیمے اور چھول داریاں نصب کر دی گئیں تھیں، جن کے اردگرد پہرے دار رات رات بھر پہرا دیا کرتے تھے۔ اسی باغ کے سامنے ایک پھلواری بھی تھی، جس میں پھلوں اور پھولوں کے نئے پودے لگائے جا رہے تھے۔ اس پھلواری میں ایک ''حرفہ ریوڑی'' کا بڑا سا درخت بھی تھا جس کے ہشت پہلو کھٹ میٹھے پھل بہت لذیذ تھے۔

ہم لوگ جب ''سہانی پارہ'' پہنچے تو آم کے درختوں میں چھوٹی چھوٹی کیریاں پڑ چکی تھیں، ہم لوگوں نے اس باغ کی جو گت بنائی تھی آج بھی جب یاد آتا ہے تو افسوس ہوتا ہے۔ ٹھاکر جنگو سنگھ بہت موٹے اور لحیم شحیم آدمی تھے۔ دوسرے تیسرے دن برابر ہاتھی پر ''سہانی پارہ'' آیا کرتے تھے ہاتھی پابندی کے ساتھ روزانہ صبح ہم لوگوں کے لیے آجایا کرتا تھا، اور ہم لوگ اس کے اوپر بیٹھ کر سیر سپاٹا کیا کرتے تھے۔

میر صاحب مرحوم روزانہ صبح اپنی بگھی پر بیٹھ کر سیتا پور چلے جاتے تھے اور شام کو اسی سے واپس آتے تھے۔ ان کے مقدمات روزانہ عدالتوں میں رہتے، جن کی پیروی کے لیے ان کا روزانہ جانا ضروری تھا۔ بگھی کے علاوہ متعدد یکے اور بیل گاڑیاں وغیرہ دن بھر سیتا پور آیا جایا کرتی تھیں۔

ٹھاکر جنگو سنگھ بڑے منتظم اور ''جلجلے'' کے زمیندار تھے۔ کیا مجال کہ ہمارے کیمپ میں کوئی چیز وقت پر نہ پہنچے۔ روزانہ صبح ایک بکرا ذبح کیا جاتا تھا اور کبھی کبھی دو بھی۔ سبزیاں، ترکاریاں، دودھ، دہی،

گھی، کھویا سب کچھ جنگو سنگھ فراہم کرتے اور وہ بھی مسلمان کے یہاں سے، کیوں کہ ہندوؤں کی چھوئی ہوئی کوئی چیز ہمارے یہاں استعمال نہیں ہوتی تھی۔ صرف خشک چیزوں پر کوئی قید نہیں تھی۔ ہم لوگ کوئی دو ڈھائی مہینے ''سہانی پارہ'' میں رہے اور بچپن کا وہ زمانہ ایسے انمٹ نقوش چھوڑ گیا ہے جنہیں آج سینے سے لگائے ہوئے زندہ ہوں۔

''ہزارہ'' کا وہ مکان جس میں، مَیں پیدا ہوا، آج بھی میری نگاہوں میں ناچا کرتا ہے۔ اس مکان میں سوائے پائخانے کے کوئی حصہ پختہ نہیں تھا۔ اس مکان کے سامنے ایک تخمی آم کا درخت لگا ہوا تھا جس کا پھل چھوٹا تو ضرور تھا مگر اتنا میٹھا کہ بیان نہیں کرسکتا۔ اس کے علاوہ اس باغ کے کئی اچھے آم میرے والد مرحوم نے لگوائے تھے جن کا مزہ آج بھی یاد آتا ہے۔

والد نے کبھی اس باغ کی فصل فروخت نہیں کی ہر ہفتے اعزہ اور احباب کی پارٹیوں کو مدعو کیا کرتے تھے۔ آم کھلاتے بھی تھے اور ساتھ بھی دیا کرتے تھے، اس میں امیر غریب کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔ آموں کی فصل میں عموماً وہ رات کو باغ ہی میں رہا کرتے تھے۔ دس گیارہ بجے رات کو گھر سے ٹہلتے ہوئے باغ چلے جایا کرتے تھے، جہاں ان کے لیے بالٹیوں میں آم بھیگا کرتے تھے۔ آم کھا کر لیٹے اور بھائی کلو پاؤں دبانے بیٹھ گئے۔ ادھر خراٹے لینا شروع کیے اور بھائی کلّو رفو چکر۔ صبح بٹیروں کا شکار ہوا کرتا تھا۔ کلّو اس کے بھی انچارج تھے۔ اگر کافی بٹیریں مل گئیں تو وہ بھی تقسیم کردی جاتی تھیں اور اگر کم ملیں تو صرف گھر ہی کے لیے مخصوص رہتی تھی۔ اس باغ سے مجھے فطری لگاؤ تھا۔ آموں کی فصل کے علاوہ بھی اکثر میں مہینوں اس باغ میں رہا ہوں۔ صرف کھانا کھانے گھر آتا ورنہ چوبیس گھنٹے لیٹ کتابیں پڑھتا رہتا۔ میں نے اس مکان کی چھت پر ایک چھپر ڈلوایا تھا جس میں لیٹ کر میلوں کے مناظر سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔ یہ کچا مکان کئی سال ہوئے بالکل مہندم ہوگیا۔ باغ کے نئے مالک کو جب باغ ہی سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تو مکان سے کیا لگاؤ ہوسکتا ہے۔ ابھی دو سال ہوئے آخری بار اس خاک کو اپنی چشمِ پرنم سے چوم آیا تھا، نہ جانے کیوں؟

خاندان:

یہ عہد روایات شکنی کا زمانہ ہے حسب نسب کی قیمت ہی کیا؟ میں اپنے اسلاف کا ذکر پدرم سلطان بود کے طور پر نہیں کرنا چاہتا۔ میرے خاندان میں کوئی ایسے افراد تھے بھی نہیں، جن کا دنیوی جاہ وچشم ایسا رہا ہو جس پر پدرم سلطان بود کی چوٹ پڑتی ہو، لیکن مجھے اپنے اسلاف پر یقیناً فخر ہے، جنھوں

نے پاکیزہ علمی وادبی زندگیاں گزاری ہیں جنھوں نے مجبور مستحقین کا خیال رکھا اور جن کے فیوض ایک محدود علاقے میں بہت دنوں تک اپنی یادوں کے چراغ جلاتے رہے۔ میں سادات کے ایک قابلِ ذکر خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ سلسلۂ نسب آٹھویں امام حضرت امام رضا علیہ السلام سے ملتا ہے۔ میں اس نسبی فضیلت کو اپنے لیے باعث فخر نہیں سمجھتا بلکہ میں اپنی سیاہ کارانہ زندگی کے آئینہ میں جب اپنے وجود کو دیکھتا ہوں تو کانپ اٹھتا ہوں۔ میں نہ تو اس فلسفے کا قائل ہوں کہ سادات پر نارِ جہنم حرام ہے، نہ ان روایات پر یقین رکھتا ہوں کہ سادات اپنے جد کے سائے میں پروردگارِ عالم کی رحمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔ میرا ایمان ہے کہ حضور سرورِ کائنات ﷺ کی اولاد پر دینی اور دنیوی ذمہ داریوں کا بار سب سے زیادہ ہے۔ غیر سیّد تو شاید بخش بھی دیئے جائیں، کم از کم میرے جیسے سیّد تو کبھی بخشے نہیں جاسکتے، جن کی ساری زندگی معصیت اور گناہ سے آلودہ ہے۔ یہ میرا ایمان ہے، یقین ہے اور ایک ایسا کھلا ہوا اعتراف ہے جس نے مجھے آج تک کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونے دیا۔ میرے خاندانی حالات پڑھنے والوں کو کبھی ایک لمحے کے لیے یہ نہ بھلانا چاہیے کہ اپنے اسلاف کا ذکر میں کسی تفاخرِ نسبی کے جذبہ کے تحت نہیں کر رہا ہوں۔

میرے خاندان کا شجرہ ''شجراتِ طیبات'' کے نام سے ۱۹۱۸ء میں ریاض خیرآبادی مرحوم کے مطبع ''امیر المطابع، سیتا پور'' میں چھپ چکا ہے جس کی ضخامت ۹۴۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ نسب نامہ میر ظہور الحسن فروغ سیتا پوری مرحوم نے مرتب فرمایا تھا اور میرے دادا میر مظفر حسین وکیل مرحوم نے بہ صرفِ کثیر چھپوایا تھا۔ اب یہ کتاب کم یاب ہوچکی ہے، اس کی ایک جلد میرے ساتھ کراچی آئی تھی جو موجود ہے۔ ساداتِ سیتاپور کا ذکر اس نسب نامہ میں صفحہ ۵۹۸ سے شروع ہو کر صفحہ ۶۲۴ پر ختم ہوا ہے۔ خود ہمارے خاندان کا ذکر صفحات ۷۰۱ سے صفحات ۷۰۵ تک پھیلا ہوا ہے۔

میرے جدِ اعلیٰ سیّد عبداللہ زر بخش (بن سیّد یقوب بن سید ابوعبداللہ احمد ابنائے جناب موسیٰ مہرقع) ۴۵۲ ہجری میں واردِ ہندوستان ہوئے اور لاہور میں قیام فرمایا۔ کچھ دن لاہور ٹھہرا کر اودھ کی طرف روانہ ہوگئے اور ''قصبہ زید پور'' (ضلع بارہ بنکی) میں اقامت گزیں ہوگئے۔ زید پور اس زمانے میں ایک غیر آباد جگہ تھی، یہیں آپ کے نامور فرزند سیّد زید پیدا ہوئے، انھی کے نام سے یہ قصبہ آباد ہوا، جو اس وقت تک اسی نام کے ساتھ مشہور ہے۔ سیّد زید کی اولاد میں ایک بزرگ قاضی سید محمد تقی گزرے ہیں جن کا ذکر ''شجراتِ طیبات'' میں موجود ہے۔ ''شجراتِ طیبات'' سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ یہ قصبہ کھیری (ضلع لکھیم پور یوپی) میں سکونت پذیر تھے۔ ان کی نسبت میر ظہور الحسن فروغ نے لکھا ہے کہ ان کا زمانہ

ایک سو بیس برس (۱۹۱۸ء) پہلے کا تھا۔ قاضی سیّد محمد تقی نے جو نسب نامہ ''عواقبِ عبدالحیٔ'' کے نام سے تحریر فرمایا تھا اس کی ایک نقل برادر محترم سیّد محمد اطہر صاحب مرحوم کے کتب خانے میں موجود تھی۔ یہ کتاب فارسی میں ہے اور غیر مطبوعہ ہے۔ سیتاپور میں ہمارے جو بزرگ موضع ''قضیا پور''، پرگنہ گھیری سے آکر آباد ہوئے، ان کا نام قاضی سیّد محمد اشرف بن قاضی سید اُحد تھا۔ محلّہ قضیارہ سیتاپور انھی کا آباد کیا ہوا محلّہ ہے، جس میں ہم لوگوں کے مکانات بھی ہیں اور زمین داری بھی۔

سیّد محمد اشرف کی قبر بڑے امام باڑے (قضیارہ سیتاپور) کے مغربی دروازے سے ملی ہوئی ہے۔ یہاں پر ایک قبر تو مخدوم صاحب کی مشہور ہے، دوسری سیّد محمد اشرف کی، تیسری قبر غالباً ان کی بیوی کی ہے۔ سیتاپور میں عام رواج ہے کہ ہر شادی بیاہ کے موقع پر ان قبروں پر شمعیں جلائی جاتی ہیں اور ان کا فاتحہ بھی دلایا جاتا ہے۔

مولوی سیّد اسداللہ مرحوم:

مولوی سیّد اسداللہ مرحوم میرے پردادا میر مہربان علی مرحوم کے پردادا تھے، یعنی میں ان کی ساتویں پشت میں ہوں۔ مولوی سیّد اسداللہ صوبہ بہار چلے گئے تھے، عرصہ تک دربھنگہ اور مونگیر کے منصبِ قضا پر فائز رہے۔ وفات بھی وہیں ہوئی، مونگیر میں آسودہ خواب ہیں۔ مولوی صاحب مرحوم عربی کے عالم متبحّر تھے۔ اور صاحبِ تصنیف۔ ''شجراتِ طیّبات'' کے مولف نے مرحوم کی ایک عربی تصنیف ''عروۃ الوثقیٰ'' کی نشان دہی کی ہے جو جناب مولوی سیّد محمد صاحب کے کتب خانہ میں تھی۔ باوجود کوشش کے اس مخطوطہ کو میں اب تک تلاش نہیں کرسکا۔ مولوی سیّد اسداللہ صاحب مذہبِ اثناعشری کے پابند تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے دونوں صاحب زادے مولوی سیّد محمد کبیر و مولوی سید محمد رحیم سیتاپور اپنے چچا مولوی قاضی سید عبداللہ المتخلص بہ رضوی سیتاپوری کے پاس چلے آئے تھے، جو عقیدتاً مذہب اہلِ سنت سے تعلق رکھتے تھے۔ قاضی سید عبداللہ رضوی خیرآباد (ضلع سیتاپور) کے منصبِ قضا سے وابستہ تھے ان کا زمانہ ولی دکنی کا عہد تھا۔ شاعر تھے، رضوی تخلص فرماتے تھے۔ ان کا ایک شعر بزرگوں سے سنا ہے۔ جسے متعدد مضامین میں نقل کرچکا ہوں:

تجھ بھوں کے پاس یوں ہے چشم مست
جیسے میخانہ کنارِ آب جو

سیتاپور کے ثقہ حضرات بیان فرماتے تھے کہ رضوی، صاحبِ دیوان بھی تھے اور ولی دکنی سے ان

کے معاصرانہ تعلقات بھی تھے، مگر میری نظر سے نہ تو ان کا دیوان گزرا ہے اور نہ اس کی تصدیق ہوسکی کہ ان کے ولی دکنی سے معاصرانہ تعلقات تھے۔

مولوی سیّدا سداللہ صاحب مرحوم کے چھوٹے صاحب زادے مولوی سید محمد رحیم مرحوم بھی اپنے عہد کے علما میں سے تھے۔ ان کا زمانہ وہی تھا جو میر تقی میر کا عہد تھا۔ علم حدیث میں دست گاہ کامل رکھتے تھے۔ ان کی کسی تصنیف یا تالیف کا کوئی پتا نہیں چلتا۔ میرے دادا میر مہربان علی مرحوم انھی مولوی سیّد محمد رحیم کے پوتے تھے، جن کے چار بھائی اور بھی تھے۔ سیتا پور میں یہ خاندان ''پنج بھیوں'' (پانچ بھائیوں) کے نام سے مشہور تھا۔ میرے دادا میر تفضّل حسین، مہربان علی کے اکلوتے فرزند تھے، جن کی اولاد میں والدِ مرحوم میر مقبل حسین تھے۔ میرے والد اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ میرے دادا کا سن وفات وہی ہے جو مرزا غالب کا ہے یعنی ۱۸۶۹ء، اور ان کے والدِ ماجد مہربان علی، دادا کی وفات سے صرف ایک سال قبل ہی راہی دار بقا ہوئے تھے۔

میر مقبل حسین:

والد مرحوم اپنی گوناگوں خصوصیات کے اعتبار سے اپنی چھوٹی سی بستی میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ ان کی شخصیت ہر شعبۂ زندگی میں ایک انفرادیت کی حامل رہی۔ شعروسخن سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا، مگر سخن فہمی اور حاسۂ انتقاد بلا کا رکھتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب نیاز فتح پوری نے ماہ نامہ ''نگار'' میں غالب اور کئی قدیم شعراء کے خلاف منفی تنقید کا محاذ قائم کیا تو والد مرحوم کو بہت ناگوار گزرا۔ حسنِ اتفاق کہ انہیں دنوں ''نگار'' کا مومن نمبر بھی نکلا، جس میں نیاز مرحوم نے مومن دہلوی کے فن کو طرح طرح سے سراہنے کی کوشش کی۔ والد مرحوم نے ''مومن کی شاعری'' کے عنوان سے اسی قسم کا ایک تنقیدی مضمون لکھوایا، جیسا نیاز مرحوم، غالب کے بارے میں لکھ آئے تھے۔ اس مضمون کی شائد دو قسطیں ظفر عباس فضل لکھنوی کے ماہ نامہ ''نظارہ'' میں میرے نام سے چھپی تھیں۔ یہ تنقید کیا تھی، مومن پر اعتراضات کا ایک سلسلہ تھا۔ نظارہ کے فائل اب فضل لکھنوی کے پاس بھی نہیں۔ مگر جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے مومن کے اس مطلع پر:

الحمد ولواہب العطایا　　اس شور نے کیا مزا چکھایا

والد مرحوم نے دو اعتراضات کئے تھے۔ پہلا اعتراض تو یہ تھا کہ ''لواہب العطایا'' غلط ہے ''للواہب العطایا'' ہونا چاہیے۔ دوسرا اعتراض دوسرے مصرع پر یہ تھا کہ شور ناگوار معنوں میں استعمال ہوتا

ہے، پھر مزا چکھانے کا محاورہ بھی بالکل غلط نظم کیا گیا ہے۔ حمد کے لیے شور اور مزا چکھانا دونوں ذم کا پہلو لیے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی مرحوم نے کئی اور بھی اعتراضات کئے تھے، جس سے ان کے بے پناہ تنقیدی شعور کا پتہ چلتا ہے۔

میرے والد شاعر نہیں تھے شاید اپنی زندگی میں کبھی ایک مصرع بھی موزوں نہ کہا ہو، لیکن موزوں طبع بھی تھے اور عروض سے بھی واقف تھے۔ اردو نثر بہت ہی جامع، برجستہ اور شائستہ لکھتے تھے، اس صدی کے آغاز میں حکیم عبدالکریم برہم نے گورکھ پور سے ایک رسالہ ''رجسٹریشن ریویو'' کے نام سے نکالا تھا۔ جس میں یوپی رجسٹریشن ایکٹ سے متعلق مضامین ہوتے تھے۔ اس رسالے کی ترتیب و تدوین والد مرحوم ہی کیا کرتے تھے، کیوں کہ ان کا شمار یوپی کے مشہور ماہرینِ رجسٹریشن ایکٹ میں تھا۔ نام بہ حیثیت ایڈیٹر حکیم برہم کا چھپتا تھا۔ والد چوں کہ سرکاری ملازم تھے، اس لیے کسی اخبار یا رسالہ کی ایڈیٹری قانوناً نہیں کر سکتے تھے۔ اس رسالے کے کچھ شمارے اور حکیم برہم کے بہت سے خطوط والد مرحوم کے ذخیرے میں موجود تھے، افسوس کہ سب تلف ہو گئے۔

والدِ مرحوم عقیدتاً غالی قسم کے شیعہ تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ نورِ رسالت دو حصّوں میں تقسیم ہوا تھا۔ ایک سے حضور سرورِ کائنات ﷺ خلق کئے گئے اور دوسرے سے امیرالمومنین حضرت علیؓ۔ اس سلسلے میں مرحوم نے ایک مدلّل و مبسوط کتاب ''نورالاعتقاد'' کے نام سے تصنیف فرمائی تھی جو تخمیناً ۱۹۳۰ء میں مصباح پریس، سیتا پور میں چھپی تھی۔ اس کی چند جلدیں سیتا پور میں موجود ہیں۔ ''نوالاعتقاد'' دراصل شیخ اعجاز بدایونی کے اُن دو رسائل (نجم الاعتقاد) کا جواب ہے، جس میں شیخ بدایونی مرحوم نے مسئلہ مساوات پر بے ہنگم اور گستاخانہ تنقید کی ہے۔ میں نے یہ دونوں رسالے پڑھے ہیں جن کے مسائلِ علمیہ کو تو میں اس وقت نہیں سمجھ سکا مگر طرزِ تحریر اتنا بے ہودہ اور گستاخانہ تھا کہ جس کا اثر آج تک میرے ذہن پر موجود ہے۔ اس کتاب کے علاوہ والد مرحوم کے بہت سے مذہبی اور اصلاحی مضامین رسالہ اصلاح کھجوہ، اودھ اخبار لکھنؤ، ''ہمدم'' لکھنؤ اور ہفت روزہ ''مشرق'' گورکھ پور وغیرہ میں چھپتے رہتے تھے، جن میں ان کی اعلیٰ، عام فہم اور مدلّل نثر کے بے شمار نمونے ملتے ہیں۔

والد مرحوم اپنے مذہبی عقائد میں جتنے سخت تھے، اتنے ہی آزاد منش اور غیر متعصّب بھی تھے۔ فضول قسم کے رسم و رواج سے انہیں سخت نفرت تھی۔ میری پیدائش سے قبل انہوں نے معاشرے کی اصلاح کے لیے ایک مقامی ادارہ ''کمیٹی اصلاح رسوم'' کے نام سے قائم کیا تھا۔ اس کے جلسوں کی روداد اور تجاویز کی کچھ فائلیں ہندوستان سے روانہ ہوتے وقت تک میرے پاس سے محفوظ تھیں۔ شادی بیاہ اور بہت سی ایسی

تقاریب کی اصلاح کے لیے جو عملی اقدام کیے گئے ان کی تفصیلات موجود تھیں۔ اب سے پچیس تیس سال ادھر سیتا پور میں ولیمہ کا دستور نہیں تھا۔ اس میں والد مرحوم نے یہ ترمیم کردی تھی کہ لڑکی اور لڑکے والے ایک محدود تعداد میں کھانا پکوا کر برادری اور اعزّہ میں تقسیم کردیا کرتے تھے۔ یہ کھانا عموماً دو خمیری روٹیوں اور سالن پر مشتمل ہوتا تھا، زیادہ سے زیادہ پلاؤ کا اضافہ کردیا جاتا۔ اس سے پہلے ولیمے میں سیکڑوں آدمی بے بلائے شریک ہوجایا کرتے تھے اور بعض اوقات شدید ندامت اٹھانا پڑتی تھی اسی طرح لڑکی والوں کے یہاں چوتھی میں بہت سے لوگ پہنچ جایا کرتے تھے جس کی وجہ سے لڑکی والوں کی سبکی ہوتی تھی۔ اس پر مدتوں عمل ہوتا رہا، اب جا کر یہ طریقہ ترک ہوا ہے۔ اودھ کے قصبات میں جو مخصوص معاشرہ مدّتوں رائج رہا، اس میں بہت سی برائیاں تھیں۔ باہمی رشتہ داریوں میں کسی رسمی دعوت نامے کا کوئی رواج نہیں تھا۔ برادری کا ہر فرد غمی اور خوشی درہم برہم رہا اور اسی لیے معاشرے کی اصلاح ضروری سمجھی گئی۔

والد مرحوم بڑے سادہ مزاج، صاف گو اور دیانت دار انسان تھے۔ کبھی کسی کے ظاہری جاہ جلال سے مرعوب نہیں ہوئے۔ جو ان کے دل میں ہوتا وہی زبان پر۔ آمدنی قلیل تھی مگر اس کے باوجود خاموشی کے ساتھ دوسروں کی مدد کیا کرتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد مجھے ان کی داد و دہش کا پتہ ان لوگوں سے چلا جنہیں وہ چپ چاپ ہر مہینے کچھ نہ کچھ دیا کرتے تھے۔ والد مرحوم میں انتظامی صلاحیت اتنی تھی کہ بڑی سے بڑی تقریب کو بہت حسن و خوبی سے سرانجام دیا کرتے تھے۔ کبھی الجھتے نہیں تھے اور نہ ان کے ساتھ کام کرنے کبھی ان سے بددل ہوتے تھے۔ میری والدہ کا انتقال بچپن میں ہی ہوگیا تھا۔ والد مرحوم نے ہم لوگوں کے خیال سے دوسری شادی نہیں کی، ہم لوگوں کی پرورش انھوں نے کی۔ والد ماجد کا انتقال ۱۳۔اگست ۱۹۳۴ (یوم دوشنبہ) سیتا پور میں ہوا، کربلائے حاجی صاحب مرحوم (متصل سٹی اسٹیشن) میں دفن کیے گئے۔

والدہ مرحومہ:

جب والدہ مرحومہ کا انتقال ہوا تو میری عمر ۸۔۹ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ ان کی شفقتوں کی تمام یادیں آج تک میرے ذہن میں جگمگاتی رہتی ہیں۔ بہت ہی کم ایسا دیکھا گیا ہے، ہر انسان اپنی ماں کی مامتا کی محبت کے بارے میں یہ نہ کہتا ہو کہ ''میری ماں سے زیادہ شفیق ماں شاید ہی کسی کی ہو'' میں بھی یہ کہہ سکتا ہوں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ماں نام ہی اس مامتا اور محبت کا ہے جو میری طرح ہر اولاد کو حاصل ہوتی رہتی ہے۔

والدہ محترمہ کی اس بے پناہ محبت کا ذکر ان الفاظ میں کر کے میں اپنی ماں کی مامتا میں عمومیت پیدا نہیں کرتا۔ والدہ مرحومہ اپنی سب اولادوں میں مجھے سب سے زیادہ کیوں چاہتی تھیں؟ مجھے کچھ نہیں معلوم۔ لیکن میرے شعور میں ''امّاں'' کی مامتا کا مسکراتا ہوا چہرہ آج تک جگمگایا کرتا ہے اور آج بھی جب میں اپنی ماں کو یاد کر کے آبدیدہ ہوتا ہوں تو ان کی روح بے قرار ہو کر میرے آنسو پونچھنے کے لیے تڑپ اٹھتی ہے۔

اے کاش وہ کبھی نہ مرتیں!

۲۴ فروری ۱۹۷۴ء کراچی

تین سال ادھر جب میں نے اپنی بکھری اور اچٹی ہوئی زندگی کے شیرازے کو سمیٹنے کا ارادہ کیا تھا مجھے بالکل خبر نہیں تھی کہ آنے والے لمحات میرے عزائم کو پنپنے کا موقع نہ دیں گے۔ وہی ہوا، میں مسلسل تین سال کچھ نہ لکھ سکا صرف گردشِ دوراں کے ساتھ چکر کھاتا رہا۔

اب اسی ہفتے تین دن کے بعد ۲۷ فروری ۱۹۷۴ء کو میری عمر ساٹھ سال کی ہو جائے گی۔ سالگرہ تو میری کبھی نہیں ہوئی اور یہ رسم کچھ ہے بھی ایسی ہی۔ زندگی کے دن کم ہوتے ہیں اور انسان خوشیاں مناتا ہے۔ اس لیے نہیں کہ موت کی منزل قریب تر ہوتی جاتی ہے، بلکہ صرف اس لیے کہ زندگی ہوس نشاط کا جزو بن جاتی ہے۔

پھر کچھ لکھنے کا ارادہ۔ مگر کیا ایسا ہو بھی سکے گا یا ساری زندگی موت میں گم ہو جائے گا۔

نادم سیتاپوری

۲۴۔۲۔۱۹۷۴ء

دوشنبہ کراچی (پاکستان)

نادم سیتاپوری کی مطبوعہ کتب

۱۔ منجدھار، مکتبۂ سلطانی ابراہیم رحمت اللہ روڈ (بمبئی نمبر ۳)، مارچ ۱۹۴۶ء

۲۔ ان سنی، مکتبۂ سلطانی ابراہیم رحمت اللہ روڈ (بمبئی نمبر ۳)، مارچ ۱۹۴۶ء

۳۔ ہمارا پاکستان، مکتبۂ سلطانی ابراہیم رحمت اللہ روڈ (بمبئی نمبر ۳)، جولائی ۱۹۴۶ء

۴۔ فورٹ ولیم کالج اور اکرام علی، ادارۂ فروغِ اردو لکھنو، ۱۹۵۹ء
۵۔ انتخابِ فتنہ، عزیز الرحمٰن سلیم بکڈپو لاٹوش روڈ (لکھنو)، جولائی ۱۹۶۰ء
(ریاض خیرآبادی کے مشہور مزاحیہ ہفت روزہ کا انتخاب)
۶۔ ٹیگور، ادارۂ فروغِ اردو (لکھنو)، ۱۹۶۱ء
۷۔ غالبؔ کے کلام میں الحاقی عناصر، ادارۂ فروغِ اردو (لکھنو)، ۱۹۶۵ء
۸۔ غالبؔ کے کلام میں الحاقی عناصر، مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ (کراچی)، ۱۹۷۰ء
(ترمیم واضافہ کے ساتھ پاکستانی ایڈیشن)
۹۔ خیابانِ غالبؔ، مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ (کراچی)، ۱۹۷۰ء
۱۰۔ خلاصہ مقدمہ ابنِ خلدون، فیروز سنز۔ کراچی، ۱۹۷۱ء
۱۱۔ شاہانہ، ناول
۱۲۔ محل سرا، ناول
۱۳۔ غالبؔ نام آورم، ادارۂ فروغ اردو لکھنو، ۱۹۶۲ء
۱۴۔ غالبؔ نام آورم، سنگِ میل پبلی کیشنز (لاہور)، ۱۹۷۰ء
۱۵۔ اکبرالہ آبادی کے لطیفے، نسیم بک ڈپو (لکھنؤ)، ۱۹۵۵ء
۱۶۔ مصحفی۔ حالاتِ زندگی اور انتخابِ کلام، فیروز سنز لاہور، ۱۹۶۹ء
۱۷۔ شوق قدوائی۔ حالاتِ زندگی اور انتخابِ کلام، فیروز سنز کراچی، ۱۹۷۰ء
۱۸۔ ظفر علی خاں۔ حالاتِ زندگی اور انتخابِ کلام، فیروز سنز کراچی، ۱۹۷۰ء

غیر مطبوعہ کتب

۱۔ آپ بیتی
۲۔ روزنامچہ

مطبوعہ مضامین

۱۔ سرسیّد اعظم مغل دربار میں، صبحِ امید (بمبئی) عید نمبر، ۱۹۴۶ء
۲۔ اختر الدولہ، فروغِ اردو (لکھنؤ)، اکتوبر ۱۹۵۶۸ء

۳۔ ہندی کیوں، پیامِ مشرق (بمبئی)، ۱۴ستمبر ۱۹۵۷ء
۴۔ ٹیپو سلطان کا کتب خانہ، سرفراز (لکھنؤ)، ۲۵ نومبر ۱۹۵۸ء
۵۔ میر امن کا سنِ وفات، ہماری زبان (علی گڑھ)، یکم نومبر ۱۹۵۹ء
۶۔ جگر بسوانی، ہماری زبان (علی گڑھ)، ۱۹۵۹ء
۷۔ انیسویں صدی میں لکھنؤ کی اردو صحافت، پیام اسلام (لکھنؤ)، یکم فروری ۱۹۶۰ء
۸۔ کچھ میر، آتش اور ناسخ کے مزارات کے متعلق، قومی آواز (لکھنؤ)، ۲۲ اپریل ۱۹۶۱ء
۹۔ برادر محترم، (ماجد نمبر)، فروغِ اردو جلد (۱۸) شمارہ (۱۴)، ۱۹۶۱ء
۱۰۔ مجموعۂ سخن، آج کل (دہلی)، اکتوبر ۱۹۶۱ء
۱۱۔ کچھ آسودگانِ خواب کے بارے میں، نگار (لکھنؤ) جلد (۴۰) شمارہ (۱۱)، نومبر ۱۹۶۱ء
۱۲۔ ایک قلمی روزنامچہ، اردو ادب (کراچی) شمارہ (۴)، ۱۹۶۱ء
۱۳۔ اکبرالہ آبادی کی دو غیر معروف کتابیں، ہماری زبان (علی گڑھ)، ۲۲ دسمبر ۱۹۶۱ء
۱۴۔ منشی سجاد حسین کی آپ بیتی، نیا دور، مئی ۱۹۶۲ء
۱۵۔ شعرائے ٹونک کا ایک قدیم تذکرہ، اردو ادب، ۱۹۶۲ء
۱۶۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا ابتدائی کلام، ہماری زبان (علی گڑھ)، ۸ جون ۱۹۶۲ء
۱۷۔ میرزا تقی ہوس اور خواجہ عشرت لکھنوی، ہماری زبان (علی گڑھ)، یکم جولائی ۱۹۶۲ء
۱۸۔ یدِ بیضا، جنگ (کراچی)، ۲ جنوری ۱۹۶۳ء
۱۹۔ ڈاکٹر بجنوری کے چند خطوط، جامعہ (دہلی)، جنوری ۱۹۶۳ء
۲۰۔ غالب کا ایک گم نام شاگرد، نگار (لاہور) جلد (۴۲) شمارہ (۲)، فروری ۱۹۶۳ء
۲۱۔ چند نادر خطوط، مجلس (لاہور)، فروری ۱۹۶۳ء
۲۲۔ ریاض خیرآبادی کی ایک غیر معروف نظم، ہماری زبان (علی گڑھ)، ۱۵ فروری ۱۹۶۳ء
۲۳۔ انیس الشعراء آغا شاعر دہلوی، الشجاع، مارچ ۱۹۶۳ء
۲۴۔ حیاتِ اقبال کا ایک دلچسپ پہلو، قومی زبان، کراچی جلد (۲۲) شمارہ (۷،۸)، اپریل ۱۹۶۳ء
۲۵۔ ایک دلچسپ دستاویز، نوائے ادب (بمبئی)، اپریل ۱۹۶۳ء
۲۶۔ سوال نامہ اقبال نمبر کا جواب، سیپارہ (لاہور) جلد (۲) شمارہ (۶)، جون ۱۹۶۳ء
۲۷۔ نامی سیتاپوری، نیا دور، اکتوبر ۱۹۶۳ء

۲۸۔ مردان علی خان رعنا (تلمیذ غالب) ہماری زبان (علی گڑھ)، ۲۲ اکتوبر ۱۹۶۳ء
۲۹۔ شاکر میرٹھی۔ سرور جہاں آبادی اور منشی ودیا نرائن نگم، ہماری زبان (علی گڑھ) ۲۲ جون ۱۹۶۴ء
۳۰۔ مضطر خیر آبادی، مجلس (لاہور)، ستمبر ۱۹۶۴ء
۳۱۔ عیش لکھنوی، نیا دور، اکتوبر ۱۹۶۴ء
۳۲۔ ہاشمی صاحب (ہاشمی نمبر)، سب رس (کراچی)، جنوری ۱۹۶۵ء
۳۳۔ کچھ گل کدۂ عزیز کے بارے میں (۱)، ہماری زبان (علی گڑھ) جلد (۲۴) شمارہ (۲۲)، ۸ جون ۱۹۶۵ء
۳۴۔ کچھ گل کدۂ عزیز کے بارے میں (۲)، ہماری زبان (علی گڑھ) جلد (۲۴) شمارہ (۲۳)، ۱۵ جون ۱۹۶۵ء
۳۵۔ اقبال کی چند سطریں، ہماری زبان (علی گڑھ)، ۲۲ جولائی ۱۹۶۵ء
۳۶۔ بزمِ اکبر (ایک تنقیدی جائزہ)، ہماری زبان (علی گڑھ) جلد (۲۵) شمارہ (۹)، یکم مارچ ۱۹۶۶ء
۳۷۔ بیگماتِ اودھ کے خطوط کا تاریخی پس منظر، نقوش (لاہور)، شمارہ (۱۰۸)، ستمبر ۱۹۶۷ء
۳۸۔ گئو رکشا اور اردو، ہماری زبان (علی گڑھ) جلد (۲۶) شمارہ (۳۸)، ۱۸ اکتوبر ۱۹۶۴ء
۳۹۔ ضمیری خیر آبادی (خاص نمبر)، صحیفہ (لاہور)، اکتوبر ۱۹۶۸ء
۴۰۔ مرقع اردو اخبارات و رسائل (مراسلہ)، ہماری زبان (علی گڑھ) جلد (۶۷) شمارہ (۲۰) ۲۲ مئی ۱۹۶۸ء
۴۱۔ سیتاپور کا کتب خانہ، العلم (کراچی) جلد (۲۲) شمارہ (۳)، جولائی تا ستمبر ۱۹۶۹ء
۴۲۔ غالب کے متعلق چند غیر معتبر روایات، (غالب نمبر) اردو، ۱۹۶۹ء
۴۳۔ غالب ''تحقیق'' اپریل فول، اردو ادب شمارہ (۱)، ۱۹۶۹ء
۴۴۔ علی عباس حسینی چند یادیں، افکار (کراچی)، ۱۹۶۹ء
۴۵۔ تذکرۂ شعرائے لکھنؤ اور خواجہ عشرت لکھنوی، قومی زبان (کراچی)، جنوری، ۱۹۷۰ء
۴۶۔ لاہور اردو صحافت کا قدیم گہوارہ، جنگ (کراچی)، ۶ ستمبر ۱۹۷۰ء
۴۷۔ یادش بہ خیر: طلوعِ افکار (کراچی) جلد (۲) شمارہ (۱۳)، جنوری ۱۹۷۱ء
۴۸۔ یادش بہ خیر: علامہ شاداں بلگرامی، طلوعِ افکار (کراچی)، جنوری ۱۹۷۱ء
۴۹۔ غالب کی آخری آرام گاہ (غالب نمبر)، العلم (کراچی)، جنوری تا مارچ ۱۹۶۹ء

۵۰۔ یادش بہ خیر: اثر لکھنوی، طلوعِ افکار (کراچی) جلد (۲) شمارہ (۱۴)، فروری ۱۹۷۱ء
۵۱۔ یادش بہ خیر: محشر لکھنوی، طلوعِ افکار (کراچی)، جلد (۲) شمارہ (۱۵)، مارچ ۱۹۷۱ء
۵۲۔ غالب اور ریاض خیر آبادی، (غالب نمبر)، نقوش (لاہور)، جلد (۱۱۱) اپریل ۱۹۶۹ء
۵۳۔ اصلاحاتِ غالب، نقوش (لاہور)، جلد (۱۱۱)، اپریل ۱۹۶۹ء
۵۴۔ ''مراۃ الہند'' لکھنؤ کا ایک قدیم ماہنامہ، العلم (کراچی) جلد (۲۰) شمارہ (۲)، اپریل تا جون ۱۹۷۱ء
۵۵۔ یادش بہ خیر: اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں، طلوعِ افکار (کراچی) جلد (۲) شمارہ (۱۷)، مئی ۱۹۷۱ء
۵۶۔ یادش بہ خیر: سید نصیر الدین ہاشمی، طلوعِ افکار (کراچی) جلد (۲) شمارہ (۱۸)، جون ۱۹۷۱ء
۵۷۔ یادش بہ خیر: ریاض خیر آبادی، طلوعِ افکار (کراچی) جلد (۲) شمارہ (۱۹)، جولائی ۱۹۷۱ء
۵۸۔ مومن کے پسماندگان، العلم (کراچی) جلد (۲۰) شمارہ (۳)، جولائی تا ستمبر ۱۹۷۱ء
۵۹۔ ریاض خیر آبادی کی پہلی سوانح حیات، ماہِ نو (کراچی)، اگست ۱۹۷۱ء
۶۰۔ یادش بہ خیر: لکھنو کے چند ارباب کمال، طلوعِ افکار (کراچی)، اگست ۱۹۷۱ء
۶۱۔ یادش بہ خیر: لکھنو کے چند ارباب کمال، طلوعِ افکار (کراچی) جلد (۲) شمارہ (۲۰)، اگست ۱۹۷۱ء
۶۲۔ پنجاب کا پہلا اردو اخبار خان بہادر خان شیر کا مقدمۂ بغاوت ۱۹۶۰ء، العلم (کراچی) جلد (۲۰) شمارہ (۴)، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۷۱ء
۶۳۔ مولانا مہر سے پہلی اور آخری ملاقات، العلم (کراچی) جلد (۲۱) شمارہ (۱) جنوری تا مارچ ۱۹۷۲ء
۶۴۔ ریاض خیر آبادی کی صحافتی زندگی، العلم (کراچی) جلد (۲۲) شمارہ (۴)، اکتوبر ۱۹۷۲ء
۶۵۔ لکھنؤ کے چند تاریخی مشاعرے، العلم (کراچی) جلد (۲۲) شمارہ (۳)، جولائی تا ستمبر ۱۹۷۳ء
۶۶۔ رفعت شیروانی شاگردِ غالب کی خود نوشت تحریریں، (غالب نمبر) نقوش (لاہور)، ۱۳ اگست ۱۹۷۳ء
۶۷۔ عبدالعزیز خالد، (عبدالعزیز نمبر) تحریریں (لاہور) جلد (۵) شمارہ (۳۔۴)، مارچ اپریل ۱۹۷۵ء
۶۸۔ مرزا دبیر سیتاپور میں (دبیر نمبر)، ماہِ نو، ستمبر اکتوبر ۱۹۷۵ء
۶۹۔ مولانا شرر لکھنوی اور پاکستان کا بنیادی تصور، العلم (کراچی) جلد (۲۴) شمارہ (۲۔۴) جولائی ۱۹۷۲ء
۷۰۔ کلیاتِ اقبال، سب رس (کراچی) جلد (۱) (شمارہ ۳۔۴)، مارچ اپریل ۱۹۷۵ء

۷۱۔ آزاد کی سیاسی سیاحت روس، سنگم
۷۲۔ سودا کا پنجابی کلام، افکار (کراچی)
۷۳۔ مرحوم، (شوکت نمبر)، نقوش (لاہور)
۷۴۔ فرقت خان فرقت عہد بر کا ایک گمنام شاعر، نقوش (لاہور)
۷۵۔ اودھ پنچ، نقوش شمارہ ۱۸، صفحہ ۷۱ تا ۸۰
۷۶۔ تقدیم (مقدمہ)، فکر و فغاں (مرثیوں پر مشتمل کتاب)، جون ۱۹۷۵ء
۷۷۔ شعر کم اور مقطع زیادہ لڑے، ہفت روزہ عوامی عدالت، ۲۰ جون ۱۹۷۵ء
۷۸۔ لمبے بال اور جوئیں، ہفت روزہ عوامی عدالت، ۲۷ جولائی ۱۹۷۵ء
۸۹۔ اصل مطابق نقل، ہفت روزہ عوامی عدالت، ۴ جولائی ۱۹۷۵ء
۸۰۔ اونٹ کے کوہان سے پنڈت نہرو کی شعبدہ بازی تک، ہفت روزہ عوامی عدالت ۱۱ جولائی ۱۹۷۵ء
۸۱۔ علم دریاؤ نہیں قلم دریاؤ، ہفت روزہ عوامی عدالت، ۱۹ جولائی ۱۹۷۵ء
۸۲۔ معاشیات سے بدمعاشیات تک، ہفت روزہ عوامی عدالت، ۲۵ جولائی ۱۹۷۵ء
۸۳۔ کراچی کی ایک ہوم انڈسٹری صنعت، کفن، کسوٹی ہفت روزہ عوامی عدالت، یکم اگست ۱۹۷۵ء
۸۴۔ ایک ڈھونڈو ہزار، ہفت روزہ عوامی عدالت، ۷ اگست ۱۹۷۵ء
۸۵۔ مسائل کا شہر، ہفت روزہ عوامی عدالت، ۱۴ اگست ۱۹۷۵ء
۸۶۔ کمپنی کی مشہوری کے لیے، ہفت روزہ عوامی عدالت، ۲۱ اگست ۱۹۷۵ء
۸۷۔ اگلے وقتوں کے لوگ، ہفت روزہ عوامی عدالت، ۵ ستمبر ۱۹۷۵ء
۸۸۔ ذکر ہے نصف صدی ادھر کا، ہفت روزہ عوامی عدالت، ۱۲ ستمبر ۱۹۷۵ء
۸۹۔ ٹائی فونیات، ہفت روزہ عوامی عدالت، ۱۹ ستمبر ۱۹۷۵ء
۹۰۔ قصہ کتوں کے شناختی کارڈ بنوانے کا، ہفت روزہ عوامی عدالت، ۲۶ ستمبر ۱۹۷۵ء
۹۱۔ نس بندی بہ ذریعہ مہنگائی، ہفت روزہ عوامی عدالت، ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۵ء
۹۲۔ اخّاہ رے مادے، ہفت روزہ عوامی عدالت، ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۵ء
۹۳۔ غیاث کا اردو ترجمہ، ہماری زبان، ۲۲ اپریل ۱۹۶۴ء
۹۴۔ راجہ صاحب محمود آباد، روزنامہ مساوات، ۶ نومبر ۱۹۷۴ء
۹۵۔ اخبار الاخیار، پیام اسلام لکھنؤ، ۲۴ ستمبر ۱۹۶۲ء

۹۶۔ حیاتِ غالب، ماہِ نو، مارچ ۱۹۶۴ء
۹۷۔ تحریکِ خلافت کی باغیانہ نظمیں، ماہِ نو، جولائی ۱۹۶۵ء
۹۸۔ ایک ممتاز غالب شناس، ماہِ نو، اپریل ۱۹۶۷ء
۹۹۔ غالب پر غزل، مجلس، اکتوبر ۱۹۵۴ء
۱۰۰۔ عبدالواحد خان تخلص بھوپالی، مجلس جلد ۱۹ شمارہ ۳، مارچ ۱۹۶۷ء
۱۰۱۔ فریق سیتاپوری، ماہنامہ مجلس (لاہور)، اکتوبر ۱۹۶۷ء
۱۰۲۔ ماموں ذات، ماہنامہ مجلس (لاہور)، اپریل ۱۹۶۸ء
۱۰۳۔ میرن جعلیے، سب رنگ ڈائجسٹ، جون ۱۹۷۱ء
۱۰۴۔ مدارالدولہ نواب علی نقی خاں، نقوش شمارہ ۱۰۴، جنوری ۱۹۶۶ء

غیر مطبوعہ مضامین

۱۔ وسیم خیرآبادی اور فراق گورکھ پوری، ٹائپ شدہ
۲۔ سید حسن لطافت لکھنوی، قلمی
۳۔ ریاض خیرآبادی کی ایک غیر معروف نظم، قلمی
۴۔ اردو صحافت کی پہلی تاریخ، ٹائپ شدہ
۵۔ سید سجاد حیدر یلدرم، قلمی
۶۔ جہان آباد میں حالی
۷۔ رفعت شیروانی بھوپالی (تلمیذ غالب)، قلمی
۸۔ اقبال کا ایک منظوم خط
۹۔ اکرام علی، قلمی
۱۰۔ مجلسِ ادب سیتاپور کے تحت رہنے والی ادبی محفل میں پیش کیا جانے والا مضمون
۱۱۔ غالب اور سرسید، ٹائپ شدہ
۱۱۔ بہار کوٹی، قلمی
۱۱۔ تبصرہ (رضوی خیرآبادی کے مجموعۂ کلام ''سازِ نو'' کا مقدمہ)

نادم سیتاپوری کی متعدد ڈائریاں دستیاب ہوئی ہیں جن میں انھوں نے مختلف موضوعات پر بھرپور

اور مختصر مضامین تحریر کیے ہیں۔ یہاں ان مضامین کے عنوانات تحریر کیے جاتے ہیں۔

۱۔ مطبع ''غالب الاخبار'' سیتا پور
۲۔ تاریخی تحریف (تاریخِ فرشتہ میں اضافہ)
۳۔ سیتا پور انقلاب ۱۹۵۷ء کے بعد
۴۔ مطبع غالب الاخبار سیتا پور کی مطبوعات
۵۔ استاد تجمل حسین تجمل
۶۔ قیصر باغ
۷۔ سیتا پور کے مسلمان تعلق دار
۸۔ مولوی مظہر علی تعلق دار مہیوہ ضلع سیتا پور، وفات ۱۸۸۸ء
۹۔ از کتب خانہ پروفیسر سیّد مسعود صاحب ادیب
۱۰۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار
۱۱۔ اردو ریختہ کی اصطلاح اور مولانا/مولینا فضل حق خیر آبادی
۱۲۔ عبدالقادر سروری حیدر آبادی
۱۳۔ حیات اللہ قاعدہ اور اس کا پس منظر
۱۴۔ پیامِ امید، سیتا پور
۱۵۔ مزار میر تقی میر
۱۶۔ دوسرے شعراء کے مزار
۱۷۔ مضطر خیر آبادی
۱۸۔ میر کلو عرش
۱۹۔ اردو کے منظوم لغت
۲۰۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی، علی گڑھ
۲۱۔ شجرہ خاندان مرزا محمد علی عرف مدو بانکے
۲۲۔ مولانا عبدالماجد دریابادی
۲۳۔ اکبر الہ آبادی کے دو لطیفے
۲۴۔ عبدالغفور نساخ ولادت ۱۲۴۹ھ

۲۵۔ پٹنہ تک، ۴۔۷، اپریل ۱۹۶۱ء
۲۶۔ کچھ مرزا حیرت دہلوی کے متعلق
۲۷۔ مرزا عباس بیگ (تعلق دار بڑا گاؤں سیتاپور)
۲۸۔ نورالعزیز لاہرپوری۔ پروفیسر کیننگ کالج لکھنؤ
۲۹۔ ساغر نظامی
۳۰۔ غالب کا مذہب
۳۱۔ یاس یگانہ چنگیزی
۳۲۔ نیاز فتح پوری
۳۳۔ حضرت مولینا/مولانا عبدالماجد دریابادی
۳۴۔ تحفہ اثناء عشری
۳۵۔ راجہ ٹوڈرمل کا وطن
۳۶۔ میر کاظم حسین وفا سیتاپوری
۳۷۔ علی گڑھ
۳۸۔ مرزا دبیر کی مروّجہ تصویر
۳۹۔ حکیم سیّد محمد شریف طالب سیتاپوری شاگرد مرزا غالب
۴۰۔ حافظ احمد بخش کلّو (حافظ کلّو)
۴۱۔ مرزا کاظم محشر لکھنوی
۴۲۔ لالہ مادھورام جوہر خیرآبادی، شاگرد میر تقی میر
۴۳۔ منشی نانک لکھنوی
۴۴۔ نواب علی نقی خان سیّد
۴۵۔ میر محمد علی عرف میر بسم اللہ شاعر (لکھنوی)
۴۶۔ ''اسیر'' ہفت روزہ (لکھنؤ)
۴۷۔ اشتہار سوانح عمری اخبارات حصّہ اوّل اختر شہنشاہی
۴۸۔ شیخ محمد جان شاد لکھنوی (پیرومیر شاد)
۴۹۔ علامہ تراب علی نامی خیرآبادی

۵۰۔ جوش ملیح آبادی
۵۱۔ رفیع احمد خان ولی ملیح آبادی
۵۲۔ عبدالاحد خان تخلص بھوپالی (ایڈیٹر بھوپال پنچ)
۵۳۔ ملک الشعراء الٰہی بخش نازش خیر آبادی
۵۴۔ سرسیّد کا مذہبی عقیدہ
۵۵۔ ہفت قلزم
۵۶۔ آغا شاعر دہلوی
۵۷۔ مزار بیر سیتا پور میں
۵۸۔ حضرت امام زین العابدین اور اودے پور
۵۹۔ حیاتِ شبلی اور سیّد سلیمان ندوی
۶۰۔ ناظر کوری
۶۱۔ سرور جہاں آبادی اور شاکر میرٹھی
۶۲۔ سیتا پور کی صنعت خانہ سازی
۶۳۔ دیوان مصحفی، فارسی مخطوطہ
۶۴۔ مضطر خیر آبادی
۶۵۔ خواجہ حالی کا نظریۂ تحقیق
۶۶۔ میر بارق لکھنوی
۶۷۔ مہذب اللغات
۶۸۔ لغات عبرانی
۶۹۔ لکھنؤ کے چند امی شعراء
۷۰۔ جوش ملیح آبادی کا ننھیال
۷۱۔ شبلی نعمانی کا لنگ۔ اور عذر لنگ
۷۲۔ شیخ خورشید علی خاور فتح پوری
۷۳۔ مولانا امتیاز علی خان عرشی رام پوری بہ نام نادم سیتا پوری
۷۴۔ باسط بسوانی کے آخری ایام زندگی کا ایک قطعہ

۷۵۔ پہلی نامہ
۷۶۔ فقیر محمد گویا
۷۷۔ حکیم مولوی محمد عابد علی کوثر خیرآبادی
۷۸۔ جگر مرادآبادی اور اصغر گونڈوی
۷۹۔ ناظر کے دو شعر
۸۰۔ غالب کی ایک نادر تحریر
۸۱۔ استاد تجمل حسین تجمل
۸۲۔ معرکہ چکبست و شرر
۸۳۔ مثنوی گلزارِ نسیم اور منشی احمد علی شوق قدوائی
۸۴۔ امیر المطابع، سیتاپور
۸۵۔ غالب کے مزاحیہ خطوط
۸۶۔ بھوپال کا ایک قدیم تذکرہ ''شبستانِ عالمگیر''
۸۷۔ حکیم عبدالرزاق غریق خیرآبادی
۸۸۔ ظریف لکھنوی ایک غیر مطبوع قطعہ
۸۹۔ سنِ ولادت و وفات
۹۰۔ سیّد سکندر علی وجد حیدرآبادی
۹۱۔ ٹامسن (غالب کے ممدوح)
۹۲۔ قاضی سر عزیز الدین احمد بسوانی کی تصانیف
۹۳۔ یادوں کی بارات
۹۴۔ میری مطبوعہ کتابیں
۹۵۔ مومن کے پسماندگان
۹۶۔ قدیم لکھنؤ کے چند غیر معروف رسالے
۹۷۔ مثنوی رشک ماہ تمام
۹۸۔ دلّی کی صحافت
۹۹۔ مکا جمعدار

۱۰۰۔ معاصرین
۱۰۱۔ عیش بھوپالی
۱۰۲۔ اودھ کی قدیم اصطلاحات
۱۰۳۔ کتب خانہ رام پور
۱۰۴۔ زکریا مائل بھوپالی
۱۰۵۔ بہزاد لکھنوی
۱۰۶۔ یادِ رفتگاں (سیّد سلیمان ندوی)
۱۰۷۔ نجم آفندی
۱۰۸۔ مخمور اکبر آبادی
۱۰۹۔ ممتاز علی اخضر سیتاپوری
۱۱۰۔ سلیم ضیائی
۱۱۲۔ لائف یا سوانح عمری
۱۱۳۔ عندلیب شادانی
۱۱۴۔ مولوی محمد حسین لکھنوی (ایڈیٹر ماہ نامہ حسن خیال اورنگ آبادی)
۱۱۵۔ منظور حسین ماہر القادری (ایڈیٹر ماہنامہ ''فاران'' کراچی)
۱۱۶۔ جلال کا ایک شعر اور مولانا عبدالحق خیر آبادی
۱۱۷۔ سیّد ذکی حسین رام پوری
۱۱۸۔ مرزا ظفر الحسن حیدر آبادی
۱۱۹۔ جمیل الدین عالی
۱۲۰۔ شوکت صدیقی
۱۲۱۔ پیر حسام الدین راشدی
۱۲۲۔ مجتبےٰ حسین
۱۲۳۔ ایوب قادری
۱۲۴۔ سیّد سبط حسن
۱۲۵۔ مولانا اعجاز الحق قدوسی

۱۲۶۔ عبدالرؤف عروج
۱۲۷۔ مرزا ظفر الحسن (غالب لائبریری)
۱۲۸۔ سیّد الطاف علی بریلوی
۱۲۹۔ ڈاکٹر معین الحق
۱۳۰۔ مفتی نظام اللہ شہابی
۱۳۱۔ قاضی عبدالودود بار ایٹ لاء
۱۳۲۔ مالک رام
۱۳۳۔ خیر بہوروی
۱۳۴۔ مرزا ظفر الحسن حیدرآبادی
۱۳۵۔ نواب عسکر یار جنگ بہادر
۱۳۶۔ ہوش بلگرامی
۱۳۷۔ ادیب سیتاپوری
۱۳۸۔ بہار کوٹی
۱۳۹۔ ہاشم جرولی
۱۴۰۔ استاد ششدر مرحوم سیتاپوری
۱۴۱۔ انور صابری
۱۴۲۔ طالب سیتاپوری
۱۴۳۔ جاں نثار اختر
۱۴۴۔ حکیم سیّد علی آشفتہ
۱۴۵۔ نواب نصیر حسین خیال
۱۴۶۔ سیّد محمد رضی ست مولا
۱۴۷۔ خان بہادر سیّد محمد ذکی سیتاپوری
۱۴۸۔ افسانے
۱۴۹۔ میر مظفر حسین وکیل مرحوم

O ------ O